خطبات جمعہ مجدد الشریعۃ محی الملۃ آیۃ اللہ العظمیٰ سید دلدار علی غفران مآبؒ

مواعظ حسینیہ (سنہ ۱۲۰۰ ہجری)

مترجم: خان محمد صادق جونپوری

قسط-۱۶

حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ ارشاد فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات۔ یہ حدیث متواتر ہے اور اس کا ظاہری معنیٰ یہ ہے کہ کوئی بھی عبادت نیت کے بغیر صحیح نہیں ہے۔ اس معنی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو کافی میں ابی بصیر سے منقول ہے:

قال سالت اباعبداللہ من حد العبادۃ التی اذا فعلها فاعلها کان مودبا فقال حسن النیتہ بالطاعۃ۔

یعنی میں نے امام صادقؑ سے عبادت کی اس شرط کے بارے میں سوال کیا جس کو انجام دینے سے مکلف بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا وہ شرط حسن نیت ہے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر عبادت حسن نیت کے ساتھ انجام نہ پائے تو محل اعتبار سے ساقط ہے اور اس کا وجود کالعدم ہے۔

شاید اس حدیث سے یہ مراد ہو کہ کسی بھی عمل پر چاہے عادات سے متعلق ہو یا عبادات سے یا معاملات سے، ثواب مترتب نہیں ہوتا جب تک کہ نیت قربت کے ساتھ نہ ہو۔ یا یہ کہ دونوں معنی صحیح ہیں، کیونکہ اصحاب اس بات پر متفق علیہ ہیں کہ وہ عبادت جو نیت قربت کے ساتھ انجام نہ دی جائے وہ لباس صحت سے عاری ہوگی اور ایسی عبادت سے انسان بری الذمہ نہ ہوگا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بات غلط نہیں ہے کہ جب فعل قربت کی نیت سے انجام نہ پائے تو ثواب کا باعث نہ ہوگا، لیکن اگر وہ فعل عبادت نہیں ہے تو صحیح ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نجس لباس کو اس نیت سے پاک کرے کہ اس کو پہن کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نماز پڑھے گا تو وہ لباس شرعاً پاک ہوگا، لیکن اس فعل پر ثواب نہیں ملے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص صرف لذت نفس کے لئے اور بغیر رجحان شرعی کے ارادے کے نکاح کرے تو وہ نکاح صحیح ہوگا لیکن اس نکاح پر ماجور نہ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے افعال جیسے نوم، یقظ، اکل وشرب وغیرہ۔

جب یہ صورت حال ہے تو عقل مند کو چاہئے کہ اپنے ہر عمل کو نیت قربت کے ساتھ انجام دے تاکہ اجر جزیل وثواب جمیل سے مستفید ہوسکے اور اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق لکل امر ما نوی، اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرے۔ مثلاً جب سونا چاہے تو حفظ صحت کی نیت کرے جو کہ مطلوب شارع ہے اور بیداری کو عبادت، عبرت، عدالت، کلمات حکمت کی استماع وغیرہ کی نیت سے منسوب کرے۔ غذا اس نیت سے کھائے کہ اس کے بدن کو طاقت ملے تاکہ اس سے وہ اعمال خیر انجام پاتے رہیں جو جسمانی طاقت پر موقوف ہیں۔ کھانا کھاتے وقت، ائمہ سے منقول تمام آداب کی رعایت کرے اور اسی طرح پانی پیتے وقت، قضائے حاجت، برادران اور اہل وعیال سے نشست و برخواست میں قصد قربت کی نیت کرے تو اس کے تمام اعمال عبادت محسوب ہوں گے۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اللھم وفقنا و سایر المسلمین ما تحب و ترضیٰ۔

جب حق سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کواس مرتبہ پر فائز کیا ہےتو انسان کو چاہئے کہ اس کواہمیت دے نہ کہ ان لوگوں کوجن کے افعال اغراض فاسدہ پر مشتمل ہوں۔

قَالَ النَّبی مَنْ عَرَفَ اللّٰہُ وَ عَزَّ مَہُ مَنَعَ مِنَ الْکَلَامِ وَ لَطِیہِ مِنَ الطَّعَامِ وَ عِنَا نَفْسَہُ بِالْقّسَا وَ الْقَیامَ قَالُوا اِفْھَاتَنا یَا رسول اللّٰہِ ھو لَاءِ اَوْلیَاءِ اللّٰہِ۔ قَالَ اِنْ اَوْلیَاءَ اللّٰہُ سَکَتوا سُکُتُھُم فکْراً تُکَلّمُو فَکَانَ کَلَامُھُم ذِکْراً اَوْ نَظَرُوا فَکَانَ نَظْرِھِم عِبْرَۃً وَ تَنْطَقُوا فکَان نِطْقِھِم حِکْمَۃً وَ مَشَوا فَکَانَ مَشیھُم بَیْنَ النَّاسِ بَرْکَۃً لو لَا الاجمال الّتی قَدْ کَتَبَ عَلَیھِم لَمْ تَسْتقر از وَجبھم فِی اَجسادھم۔

جب نیت کی اہمیت ظاہر ہوگئی تو یہ جاننا چاہئے کہ نیت کبھی قصد وارادے کے معنی استعمال ہوتیہے ،لیکن یہاں ہماری مراد یہ نہیں ہے، کیونکہ کوئی بھی فعل کو چاہے اطاعت ہو یا معصیت، بغیر قصد کے انجام دینا محال ہے۔ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اعمال کواللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کے لئے بجالائے۔

کلینی میں ان کی اسناد کے ذریعے جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ لیبلو کم ایکم احسن عملاً کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ نہیں ہے کہ تم کوآزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل زیادہ صحیح ہےاور صحیح سے مراد خشیت الٰہی ہے۔

نیت صادق اور عمل خالص یعنی یہ کہ تمھارا مقصد یہ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور تمھاری ستایش وتعریف کرے۔

نیت عمل سے بہتر ہے۔ یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ بعض لوگ جوالفاظ نیت کی صحیح ادائیگی کا بہت اہتمام کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ نیت سے مراد یہی مخصوص الفاظ کا تلفظ ہے۔ جب کہ معلوم ہے کہ نیت یعنی قصد مخصوص اور یہ تلفظ الفاظ پر مشروط نہیں ہے۔ بلکہ نماز میں اقامت کے بعد نیت کے الفاظ کو دہرانا اچھا نہیں ہے۔ توحتی الوسع قصد مخصوص کی تصحیح کا اہتمام کرنا چاہئے۔

چھپا نہ رہے کہ مذکورہ معنی میں نیت کے مختلف مراتب ہیں اوران میں سے ہرایک کی الگ الگ فضیلت ہے، ہرچند ایک لفظ دوسرے لفظ سے افضل ہو۔ ان میں سے سب سے افضل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو مستحق عبادت جان کر عبادت کرے۔

چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں : **مَا عَبَدْنا خَوفاً مِنْ نَارِکَ وَ لَا طَمْعاً فِی جنتک لکن وَجَدْتُکَ اَھْلاً لِلْعِبادۃ فَعَبَدَتک۔** پالنے والے! میں نے تیری عبادت جہنم کے خوف سے نہیں کی ہے اور نہ ہی جنت کے لالچ میں کیا ہے۔ بلکہ میں نے تجھے لائق عبادت جانا لہٰذا عبادت کی ہے۔

اور اسی سے قریب یہ مرتبہ ہے کہ انسان محبت حق تعالیٰ میں اور اس کے صفات کمال واس کے احسان واکرام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی عبادت کرے۔

چنانچہ ہارون ابن حاجہ سے منقول ہے کہ جناب امام صادقؑ نے فرمایا کہ عابد تین طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ حق تعالیٰ کی عبادت اس کے خوف سے کرتے ہیں اور ان کی عبادت بندوں اور غلاموں کی عبادت جیسی ہے۔ کچھ لوگ ثواب کے لئے حق تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور یہ مزدوروں کی عبادت ہے۔ اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی محبت کی وجہ سے کرتے ہیں اور یہی عبادت کی بہترین قسم ہے۔

نقل کیا گیا ہے کہ جناب سید المرسلینؐ نے فرمایا: اے ابوذر! اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروگویا تم اسے دیکھ رہے ہواور اگر تم نہیں دیکھ رہے ہوتو وہ تو تمھیں دیکھ ہی رہا ہے۔

امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جناب سید المرسلینؐ رات کے وقت عایشہ کے حجرے میں تھے۔عایشہ نے کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے نفس کو کیوں اتنی محنت ومشقت میں ڈالتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی گناہوں کو بخش دیا ہے۔جناب سید المرسلینؐ نے فرمایا کیا میں بندہ شکور نہ رہوں۔

اسی طرح مروی ہے کہ حضرت علیؑ کی صاحبزادی جناب فاطمہ نے جابر بن عبد اللہ انصاری کو طلب فرمایا اور کہا آپ حضرت رسول کے بڑے صحابی ہیں اور ہم اہلبیتؑ پر آپ کا بہت حق ہے۔اہلبیتؑ رسالت میں یہی علی ابن الحسین بچے ہیں اور وہ اپنے نفس پر بہت ظلم کرتے ہیں اور عبادت الٰہی میں ان کی پیشانی، زانو اور کف پا مجروح اور بدن نحیف و لاغر ہو گیا ہے۔ آپ ان سے التماس کریں تا کہ شاید عبادت میں کچھ کمی کر دیں۔

جب جابر امام زین العابدینؑ کی خدمت میں پھونچے تو دیکھا کہ امام محراب عبادت میں تشریف فرما ہیں اور عبادت نے بدن شریف کو نحیف و لاغر کر دیا ہے۔حضرتؑ نے جابر کا اکرام واحترام کیا اور اپنے پہلو میں بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ بہت ضعیف آواز میں احوال پرسی فرمائی۔جابر نے عرض کیا یا بن رسول اللہ! خداوند عالم نے جنت کو آپ اور آپ کے دوستوں کے لئے اور جہنم کو آپ کے دشمنوں کے لئے خلق کیا ہے۔آپ کیوں اپنے کو مشقت ومحنت میں ڈالتے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا اے مصاحب رسول! کیا تم نہیں جانتے کہ میرے جد رسول خداؐ جن کو اللہ تعالیٰ کی اتنی قربت حاصل تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے اور پچھلے سارے ترک اولیٰ کو بخش دیا تھا، عبادت کی محنت و مشقت کو ترک نہیں فرمایا۔میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں۔ یہاں تک کہ ان کی ساق مبارک اور قدم میں ورم آ گیا۔صحابہ نے عرض کیا کیوں اتنی محنت کرتے ہیں جب کہ آپ کے لئے کوئی کمی نہیں ہے۔حضرتؐ نے فرمایا کیا میں بندۂ شاکر نہ بنوں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کروں۔

جابر نے عرض کیا یابن رسول اللہ! مسلمانوں پر رحم کیجئے کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دفع کرتا ہے اور آسمانوں کو قائم کئے ہوئے ہے۔حضرتؑ نے فرمایا اے جابر! میں اپنے آباواجداد کے طریقے پر عمل کروں گا یہاں تک کہ ان سے ملاقات کروں۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ اگر عبادت خوف دوزخ یا شوق بہشت میں انجام دی جائے تو صحیح ہوگی یا نہیں۔اکثر علما اس طرح کی عبادت کو باطل جانتے ہیں۔کیونکہ اس عبادت کا مقصد تقرب خدا نہیں ہے۔اظہر یہ ہے کہ اگر جنت کی لالچ یا خوف جہنم قصد قربت کے ساتھ ہو تو عبادت صحیح ہے۔مثلاً یہ کہے کہ میں فلاں عبادت کو انجام دے رہا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے اور مجھے جنت عطا فرمائے اور دوزخ سے نجات دے۔ ظاہر آیات واحادیث اسی معنی کی طرف دلالت کرتے ہیں۔

اور اگر عبادت بغیر قصد قربت کے ہو تو ہر چند کہ اس طرح کی عبادت کے بطلان کے لئے دلیل قطعی نہیں ہے لیکن احوط یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

نیت قربت سے جو شے منافی ہے وہ ریا ہے۔ریا سے مراد یہ ہے کہ عبادت کو اس نیت سے انجام دے کہ لوگ اس کو عابد جانے یا یہ کہ لوگوں کی نظر میں مقبول ہو جائے اور یہ بات مادی ودنیوی منافع کے حصول کا سبب بنتی ہے۔ریا کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔مثلاً جناب امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہر ریا شرک ہے۔بے شک جو شخص کسی عمل کو لوگوں کے لئے انجام دیگا تو اس کا اجر لوگوں کے اوپر ہوگا اور جو

خدا کے لئے عمل کرے گا اسکا اجر وثواب خدا کے ذمے ہے۔

علی بن سالم سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جناب حق سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں بہتر شریک ہوں ۔اگر کوئی شخص کسی عمل میں غیر کو شریک قرار دے گا تو میں وہ عمل قبول نہیں کروں گا۔

کتاب ''عدۃ الداعی'' میں تحریر ہے کہ ایک شخص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں اعمال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہوں لیکن اگر کوئی شخص میرے عمل پر مطلع ہوجاتا ہے تو خوشی ہوتی ہے۔حضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں کوئی اور شریک ہو۔اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ (کہف: ۱۱۰)

''تو جو شخص آرزومند ہوکر اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا تو اسے اچھے کام کرنے چاہئیں اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے''

یہ جاننا چاہئے کہ ریا کا منشا دنیا کی اغراض فاسدہ ہے، چاہے وہ تحصیل مال ہو یا زہد وعبادت میں شہرت تا کہ لوگ اسے واجب التعظیم جانیں۔پس اگر انسان اپنے نفس میں ان باتوں کو پائے تو ان کو قلع وقمع کرنے کی کوشش کرے اور رضائے الٰہی کے علاوہ کسی چیز کو عبادت کی وجہ نہ بنائے اور اگر یہ دیکھے کہ کسی عمل کو صرف ریا کے سبب انجام دیا ہے تو اس امر خیر کو ترک کردینا چاہئے۔کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ہر وہ امر جس کی نیت فاسد ہو وہ امر اپنے مالک کے وبال جان ہوگا اور اس کو مستحق عذاب و نکال بنائے گا اگرچہ عبادت کی صورت میں ہو۔

چنانچہ منقول ہے کہ سید المرسلینؐ نے فرمایا کہ میں تمھارے بارے میں کسی چیز سے اتنا فکر مند نہیں ہوں جتنا شرک اصغر یعنی ریا سے ہوں۔بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عبادت کرنے والوں کے ایک گروہ سے کہے گا کہ جاؤ اور اپنے اعمال کا اجر ان لوگوں سے لو جن کے لئے تم نے عمل کیا تھا۔

اسی طرح آں حضرتؐ سے منقول ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو چار لقب سے پکارا جائے گا: اے کافر! اے فاجر! اے غادر! یعنی مکر کرنے والے اور اے خاسر! یعنی گھاٹا اٹھانے والے۔

اگر ریا نیت قربت کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو اکثر اصحاب نے اس طرح کی عبادت کے بطلان کا حکم دیا ہے۔اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **لا تشرک بعبادۃ ربہ احداً۔**

سید مرتضیٰ کا قول ہے کے عبادت میں ریا ہونے کے باوجود انسان بری الذمہ ہوجاتا ہے اگرچہ ثواب کا مستحق نہ ہو۔اور ان کے کلام کی دلیل یہ ہے کہ قبول عمل، صحت عمل سے الگ چیز ہے۔پہلی صورت باعث ثواب اور دوسری صورت وجوب اعادہ وقضا سے بری الذمہ ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ان کے عقیدے کے مطابق عبادت ریا کے ساتھ صحیح ہے۔

کلام ابن فہد علیہ الرحمۃ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریا اگر قصد قربت کے ساتھ ہو تو عبادت کالعدم ہوجاتی ہے اور اسی طرح اگر شروع میں صرف نیت قربت کے ساتھ ہو اور بعد میں ریا واقع ہو۔

اور جو کچھ اس حقیر کے ذہن میں بات آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر عبادت یا اس کی نیت میں ریا واقع ہوجائے تو اگر وہ عبادت واجب تخییری نہ ہو جیسے نماز وروزہ تو وہ عبادت باطل ہے، کیونکہ معلوم ہے نیت قربت عبادت کی صحت کی شرط ہے اور اس کا باطل ہونا پوری عبادت کے باطل ہونے کا سبب ہے۔

اور اگر نیت قربت ریا سے مخلوط ہوجائے یعنی یہ کہ

مقصود بالذات قربت ہولیکن اس میں ریا کا شائبہ پایا جاتا ہوتو ایسی عبادت ثواب کا سبب نہیں بنتی ہے اگر چہ اعادہ اور قضا سے انسان کو بری الذمہ کرتیہے۔ بہت سی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبول اور حصول ثواب ، بری الذمہ ہونے سے الگ ہے۔منقول ہے کہ **لا صلوٰۃ الا بحضور القلب۔**''حضور قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔''

معاذ بن جبل سے منقول ہے کہ کبر و حسد و عدم رحم و غیرہ عدم مقبولیت اعمال کا سبب بنتی ہیں۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: **انما یتقبل اللّٰہ من المتقین۔**

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون۔

اس طرح کی آیتیں بہت ہیں۔ظاہر ہے کہ وہ عبادتیں جو حضور قلب کے ساتھ انجام نہیں پاتیں اور حسد و کبر وغیرہ کے ہمراہ ہوتی ہیں،ان کو اعادہ کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ قبولی عمل،صحت عمل سے جدا ہے۔

چنانچہ سید مرتضیٰؒ اسی بات کے قائل ہیں۔اور ظاہر ہے کہ ریا لوگوں کے دل میں چھپا ہوتا ہے اور اکثر لوگوں میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔خواص کو بھی اس سے نجات حاصل نہیں ہے چہ جائے کہ عوام الناس کو۔جیسا کہ اس بات پر نبی اکرمؐ کا قول دلالت کرتا ہے:

ان الشرک اخفی من ذھاب النمل علی الصف فی اللیل الظلما۔

تو یہ بات کہ نیت میں ریا شامل ہونے پر عبادت کو اعادہ کرنا واجب ہے حرج سے خالی نہیں ہے۔واللّٰہ یعلم بالصواب۔

چھپا نہ رہے کہ شیطان ملعون ریا کے سلسلے میں مختلف حیلے استعمال کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو کسی نہ کسی طرح اس مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔بعض اوقات انسان نیک عمل کرتا ہے لیکن شیطان اس کے ذہن میں وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ اس کام کو ترک کرنا چاہئے۔ پس انسان شیطان کے دھوکے میں آجاتا ہے اور اس فعل کو ترک کر دیتا ہے۔ **کما لا یخفی۔** پس انسان کو چاہئے کہ تمام حالات میں اپنا محاسبہ کرتا رہے اور اگر اپنے نفس میں ریا کا شائبہ پائے تو یہ کوشش کرے کہ عبادت کو اس سے پاک کرے تا کہ ابدی ثواب سے محروم نہ رہے۔

صفت ریا قلب کی گہرائیوں میں چھپا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ ان کے اعمال اغراض فاسدہ سے مبرا ہیں ،جب کہ اگر غور وفکر کرے تو پتہ چلے گا کہ ابھی ریا اور سمعہ سے خود کو باہر نہیں نکالا ہے اور اس کا درجہ اخلاص کے بلند مقامات تک نہیں پہنچا ہے۔انسان کو تھوڑے سے ظاہری خلوص پر مغرور نہیں ہونا چاہئے بلکہ دھیان دے اور اپنے حالات پر غور وفکر کرے اور اگر ریا کی ہلکی سی جھلک اپنے اندر پائے ت ومنافع دنیوی کے ختم ہونے ، ثواب اخروی اور وہاں کی عظمت کو یاد کر کے خود کو اس بری صفت سے مبرا کرے۔اور یہ یقین کرے کہ کوئی بھی طاقت اذن ومشیت الٰہی کے بغیر،نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔

کافی میں منقول ہے کہ جناب حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ قسم کھاتا ہوں اپنی عزت و جلال کی اور اپنی عزت کی بلندی کی! بے شک میں اس شخص کی امید کو منقطع کر دوں گا جو غیر سے لو لگائے گا اور اسے لباس ذلت پہناؤں گا اور اپنے دربار سے دور کر دوں گا۔کیا وہ مشکلات میں غیر سے امید لگائے ہے جب کہ مشکلات و شدائد سب میری مشیت سے ہوتے ہیں۔کیا میرے علاوہ کسی اور سے امید لگائے ہوئے ہے جب کہ دروازہ حاجات کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔

ریا کا ایک علاج یہ ہے کہ انسان مستحب عبادات کو چھپا کر

رکھے اور اپنے طاعات وحسنات کو غیروں سے پوشیدہ رکھے۔

کافی میں جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے روز جس وقت سایہ رحمت الٰہی کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، تین اشخاص ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ عرش کے سایہ اور اپنی پناہ رحمت میں جگہ دے گا۔ پہلا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے برادران دینی سے دوستی و معاشرت کرے۔ دوسرا وہ شخص جو دائیں ہاتھ سے صدقہ دے اور اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ تیسرا وہ شخص جس کو کوئی صاحب جمال عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ کہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں، یعنی خوف خدا کی وجہ سے اس فعل سے گریز کرے۔

امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ چھپ کر صدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے آتش غضب کو خاموش کر دیتا ہے۔ دوسری حدیث میں حضرتؐ نے عمار ساباطی سے فرمایا اے عمار! چھپ کر عبادت کرنا علانیہ عبادت کرنے سے بہت بہتر ہے۔

نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادقؑ نماز عشا سے فارغ ہوتے تھے تو رات کے کچھ حصے گزر جاتے تھے۔ اس وقت حضرتؑ گوشت اور روٹی اور سکوں سے بھرا ہوا تھیلا اپنے پشت پر رکھتے تھے اور مدینے کے فقیروں کے گھروں پر جا کر ان میں بانٹتے تھے۔ اور کوئی حضرتؑ کو پہچانتا نہیں تھا۔ جب حضرتؑ کی شہادت ہوئی اور وہ چیزیں بند ہوگئیں تو وہ لوگ سمجھ گئے کہ آن حضرتؑ تھے۔

شیعہ سنی کتابوں میں منقول ہے کہ جب حضرت علی بن الحسینؑ کو غسل دیا جارہا تھا تو بھاری بوجھ اٹھا کر غریبوں کے گھر لے جانے اور ان کے لئے رات میں پانی بھرنے کی وجہ سے حضرت کے کندھوں پر گٹھے پڑے ہوئے تھے جیسے اونٹ کے زانو پر گھٹے ہوتے ہیں۔

معتبر کتابوں میں مسطور ہے کہ جب جناب مستطاب امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے اس جہان فانی سے انتقال فرمایا اور ابن ملجم لعین کی تلوار سے شربت شہادت نوش فرمایا تو امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اپنے والد بزرگوار کے جنازے کو آن حضرتؑ کی وصیت کے مطابق کوفے سے باہر لے گئے اور اس بزرگی وشرف کے خزانے کو سرزمین نجف میں سپرد خاک کیا اور دونوں دریتیم شہر کی طرف واپس ہوئے۔ جب کوفے کے ویرانے میں پہونچے تو نالہ وزاری کی آواز سنی۔ اس آواز کا تعاقب کیا تو ایک غریب وکمزور شخص کو دیکھا جو خرابے میں خاک پر پڑا ہوا تھا اور ایک اینٹ سر کے نیچے رکھے ہوئے تھا اور بڑے سوز و گداز کے ساتھ رو رہا تھا اور اشک حسرت آنکھوں سے بہا رہا تھا۔ حضرات حسنینؑ نے فرمایا تم کون ہو۔ جواب دیا ایک غریب، بیمار، عاجز اور بے یار و مددگار شخص ہوں۔ فرمایا تو تمھاری تیمارداری کون کرتا ہے۔ جواب دیا میں ایک سال سے اس شہر میں ہوں۔ ایک شخص ہر روز میرے پاس آتا تھا اور میرے سرہانے بیٹھتا تھا اور ایک مشفق ومہربان باپ کی طرح میری غمخواری کرتا تھا۔ فرمایا کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو؟ جواب دیا نہیں۔ فرمایا کبھی اس کا نام نہیں پوچھا۔ جواب دیا پوچھا تھا لیکن اس نے جواب دیا میرے نام سے تمھیں کیا مطلب ہے۔ میں تمھاری تیمارداری خدا کے لئے کرتا ہوں۔ حسنینؑ نے اس شخص کے رنگ و خد و خال کے بارے سوال کیا۔ جواب دیا میں نابینا ہوں اور کچھ بتا نہیں سکتا۔ آج تین دن ہوگیا کہ وہ میرے پاس نہیں آیا ہے اور میری احوال پرسی نہیں کی ہے۔ معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا

حادثہ پیش آ گیا ہے۔فرمایا اے ضعیف!اس کے کلام کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ جواب دیا ہمیشہ تسبیح و تحلیل کرتا تھا اور جب میرے ساتھ بیٹھتا تھا تو کہتا تھا ایک مسکین دوسرے مسکین کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور ایک غریب دوسرے غریب کے ساتھ ہم نشینی کر رہا ہے۔

آن حضراتؑ نے جواب دیا اے ضعیف!وہ شخص علی بن ابی طالب تھے۔ وصی محمد مصطفی۔ پیر مرد نے پوچھا آن حضرتؑ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آ گیا ہے کہ آج تین دن ہو گئے اور وہ نہیں آئے۔

فرمایا ایک شقی نے ان کو ضربت لگائی اور آن حضرتؑ کی شہادت ہو گئی۔ابھی ہم لوگ ان کے دفن سے واپس آ رہے ہیں۔ وہ ضعیف شخص اس جانگداز خبر کو سن کر پیچ وتاب کھانے لگا اور خود کو زمین پر گرا دیا اور کہنے لگا میری یہ قدر ومنزلت کہ امیر المومنینؑ میری احوال پرسی کریں۔ حسنین علیہما السلام اس شخص کو تسلی دے رہے تھے لیکن وہ بے چین تھا۔اس نے کہا آپ کو آپ کے جد بزرگوار اور آپ کے والد کی روح کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے ان کی تربت تک لے چلو۔تاکہ میں ان کی زیارت کرلوں۔ دونوں امام رہنما نے اس شخص کا ایک ایک ہاتھ پکڑا اور حضرت علیؑ کی قبر تک لے گئے۔

پیر مرد نے خود کو آن حضرتؑ کی قبر پر گرا دیا اور بہت رویا اور کہنے لگا پالنے والے! بحق صاحب قبر!میری روح کو قبض کر لے میں ان کی جدائی کی تاب نہیں رکھتا ہوں۔اس نے نقد جان کو طبق اخلاص پر رکھ کر اس قبلہ گاہ خاص وعام کے مرقد پر نثار کر دیا۔

(جاری)

(بقیہ۔۔۔محافظ نظام کو اصول کا پابند..................)

ایسی اہم تبدیلیاں خود دلیل ہیں کہ ایک طویل مدت سے وہ ذہنوں میں پرورش پا رہی تھیں یعنی خود اسٹالن کی زندگی ہی میں یہ تبدیلیاں ذہنوں میں تھیں اور کچھ مخصوص ذہنوں میں نہیں بلکہ اکثریت کی ذہنیتیں اسی اعتبار سے پرورش پا رہی تھیں اور اگر اکثریت اس خیال کی حامل نہ تھی تو بعد کو عملی طور پر ان تبدیلیوں کا ظہور (کی منظوری) نہ ہوتا جب کہ ہر شئے کی بنا اکثریت کے رجحان پر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اکثریت ان تبدیلیوں کو اپنائے ہوئے تھی اور اکثریت بغیر ہم خیال بنائے ہوئے وجود میں نہیں آسکتی لہٰذا معلوم ہوا کہ افراد کے خیال کا اس طرح اظہار بھی کیا جاتا تھا، تاکہ اکثریت ہم خیال بنتی جائے اور پارٹی کا یہ اصول کہ کسی بھی مخالف خیال کو، کسی بھی طرح فوراً ختم کر دیا جائے ،تشنۂ عمل رہ گیا۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ تبدیلیاں نظام کی کوتاہی کی وجہ سے ہیں تب بھی اسٹالن کی بے اصولی اس موقع پر بہر حال ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے کہ تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی لینن کی وصیت تھی کہ پارٹی کے اتحاد کو برقرار رکھا جائے لہٰذا اگر نظام میں کوئی کوتاہی تھی تو اس میں اعتدالی طور پر ایسی غیر محسوس طریقہ پر تبدیلیاں کی جاسکتی تھیں جس سے مخالف ذہنیتیں تسکین پا لیتیں اور اس کی بہر حال نظام میں اجازت تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ نہیں نظام کی کوتاہی نہیں ہے بلکہ نظام نے ان خیالوں کی تسکین بھی کی ہے تب (پھر) بھی ناظم کی کوتاہی ہے، اس لئے کہ جب نظام نے مخالف ذہنوں کے لئے کچھ اصول رکھے تھے تو آخر کیوں نہ ان ذہنوں کو تسکین دے گی؟

ہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ جب شدید اصول پرست اور انتہائی پارٹی کا وفادار اسٹالن تھا۔شاید ہی اس پارٹی کو ویسا اصول پرست کوئی دوسرا ملے۔ یہ کامیابی اسٹالن کی اصول پرستی اور جفاکشی ہی کی رہین منت ہے۔ پھر بھی انسان سے کچھ غیر محسوس سی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں جو آگے چل کر بھیانک صورت اختیار کر لیتی ہیں مگر ایسی غلطیوں سے انسان مجبور ہی ہوتا ہے۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو صرف کسی ناظم کو، مبلغ کو، حامل قانون بن جانے کے بعد ہی با اصول اور پختہ کار ہونا کافی نہیں بلکہ جس طرح موجودہ دور حیات کو قابل اطمینان ہونا چاہئے اسی طرح گذشتہ اور آئندہ زندگی کو بھی با اصول اور اغلاط سے پاک وصاف ہونا چاہئے۔ ۞۞۞